اجتہاد وتقلید

حجۃ الاسلام والمسلمین السید ھادی رضا تقوی

دور جاہلیت کا مشہور شاعر عنترہ بن شداد العبسی (المتوفی ۶۱۵ء) اپنے معلقہ کے مطلع میں کچھ اس طرح لکھتا ہے کہ'' ھل نحادر الشعراء من متردم۔جس کا مطلب ہے سابقہ دور کے شعراء سب کچھ کہہ گئے اور اب اس پر کسی اضافہ کا امکان نہیں رہ گیا۔ دور جاہلیت کی اس مقلدانہ فکر کی ہلکی سی جھلک کے مشاہدہ کے بعد سولہویں صدی کے نامور انگریزی ادیب shakespeare کے سلسلے میں Ran کے بعد بیسویں صدی کے مشہور انگریزی ادیب برناڈ شا کا یہ بیان بھی قابل غور ہے۔

" I am samller in stature than shakespeare but stand up on his shoulderادب کی دنیا میں ان دونوں مثالوں میں موجود طرز فکر کے درمیان پہلی سوچ کو تقلیدی ذہنیت سے اور دوسری مثالی فکر کو مجتہد انہ بلند نظری سے موسوم کیا گیا۔مسلمان ذہنی جمود کی اس حد پر پہونچ گیا ہے کہ علم وتحقیق کا سارا کام علمائے سلف کر چکے ہیں ہمارا کام صرف اسی پر کار بند رہنا ہے یہاں پر بھی دوتصویریں ہیں۔

۱۔ بزرگان ومتقدمین سے میرا قد چھوٹا ہے مگر میں اسلام کے کندھے پر کھڑا ہوں۔

۲۔ میرا قد علمائے متقدمین سلف سے چھوٹا ہے اسی لئے میں ان کے قدموں میں پڑا ہوں۔

عربی زبان وقواعد کے اعتبار سے کلمہ ''اجتہاد'' باب افتعال سے ہے اور اس کا مصدر پیش کے ساتھ ''الجہد'' یعنی وسیع طاقت کے ہے۔ یا پھر زبر کے ساتھ ''الجہد'' جس کے معنی نہایت مشقت کے ہیں۔ بہر کیف اجتہاد نام ہے، کسی کام کی انجام دہی میں اپنی تمام تر قوت عمل کو صرف کر دینے کا۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب انسان اپنی ساری توانائی خرچ کردے اور اس طرح سے اجتہاد مذکورہ دونوں معانی پر مشتمل ہوگا۔[۱] اصطلاح میں اجتہاد کو دو معنی ومفہوم کی ادائیگی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ (۱) اجتہاد الرای: اس معنیٰ میں کہ جب مجتہد کو کتاب وسنت میں کوئی نص و دلیل نہ ملے تو وہ اپنے ذاتی اجتہاد کو کام میں لانے کے لئے قیاس واستحسان اور مصالح مرسلہ یا پھر ظنی ترجیحات کا استعمال کر کے حکم شریعت کو دریافت کرلیگا۔ اور ائمہ اربعہ کی فقہ میں یہی اجتہاد کے معنی مراد لئے

جاتے ہیں۔

۲۔ استخراج الاحکام من ادلّۃ الشّرع: کتاب وسنت کے دائرہ میں رہتے ہوئے عملیات استنباط کے ذریعہ موقف عملی کو دریافت کرنے کا نام اجتہاد ہے۔ اور یہی اصطلاح فقہ امامیہ میں رائج ہے۔ یہ اس معنی میں ہے کہ مجتہد اپنی تمام تر کوششیں ،کتاب وسنت کے مخصوص اور ادلّہ کلّیہ کو حکم شرعی کے دریافت کرنے پر صرف کردیتا ہے جبکہ اس کے بنیادی ضوابط میں عقل عام سے استدلال اور نصوص کے لغوی وعرفی معانی پر استدلال شامل ہیں۔اجتہاد کے پہلے معنی جو قیاس ورای پر مشتمل ہے اس میں مرکزی خیال یہ ہے کہ کتاب وسنت کی تعلیمات محدود وقاصر ہیں اور پیدا ہونے والے تمام مسائل کی جوابدہی پر قادر نہیں ہیں، اسی لئے کتاب وسنت کے تحقیقی دلائل کے علاوہ ظنّیات کی اضافی دلیل کو مستند قرار دینے پر مجبور ہوگئے اور اس فقہی استناد میں جس چیز نے اساسی رول ادا کیا وہ ہے دربار خلافت کے ایک گوشہ سے اٹھنے والا نعرۂ حسبنا کتاب اللّٰہ اور حضور اکرم کی احادیث ممانعت اور اس کے نقل کرنے پر قدغن ! فقط اتنا ہی نہیں بلکہ تمام والیوں اور عمّال کے نام مکتوب بھی ارسال کیے گئے کہ ''سنن النبی'' کو تلاش نہ کریں بلکہ اپنے شخصی قیاسات پر عمل پیرا ہوجائیں جبکہ بعض عمّال کے لئے یہ بھی لکھ دیا تھا''من کان عندہ شئی من ذلک فلیحہ''[۲]

اور پھر اسی افتراق قیاسات سے تعدد مذاہب کو استناد مل گیا اور ناچار ہوکر تصویب کا قائل ہونا پڑا اور پھر عمل اجتہاد کی روح ،جس کا کام ہر زمانے کے مسائل کا حل کرنا تھا مجروح ہوتی چلی گئی اور تقدس زدگی سے ہوتے ہوئے انحصار مذاہب وآراء جیسی حد بندی نے امت کے آفاقی ارتقاء پر پہرے بٹھادئے۔مشہد محمد باقر الصدر نے''المعالم الجدیدہ''میں اسی پر اشک افشانی کی ہے۔

عقیدہ تصویب کا مسلمانوں میں پیدا ہونا شریعت عدم شمول وخلود ونقص کتاب وسنت کا وسیلہ بن گیا۔اس کا سیدھا مطلب تھا معدودے چند احکام ہی کتاب وسنت کے نصوص میں آتے ہیں۔اس کے تشریع احکام کا اختیار مجتہدین قیاس واستحسان کو دیا گیا۔

فقہ اہل بیتؑ میں اجتہاد واستنباط حکم شرعی کے لئے پے درپے دو مرحلے ہیں۔شریعت کے بیان کی دوصورتیں ہیں۔(۱) ایک وہ بیان ہے جس کے ذریعہ حکم شرعی واقعی معلوم کیا جاتا ہے جس کو استدلال کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اسکو دلیل اجتہادی کہا جاتا ہے۔

(۲) پہلی صورت کے نہ ہونے کی صورت میں جبکہ حکم شرعی واقعی معلوم نہ ہوسکے تو فورا ہم

دوسرے مرحلہ میں داخل ہوجائیں گے، اور یہاں پر صرف یہ معلوم کرنا ہمارا مقصد ہوگا کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے اور اس سلسلے میں ہماری ڈیوٹی کہاں ہے اور بس ! اس موقف عملی کی تعین کے لئے جن ادلّہ کا سہارا ہمیں چاہئے ان دلیلوں کو اصول عملیہ یا دلیل فقاہتی کہا جاتا ہے، پہلے مرحلے کے دلائل جن کو ادلہ محرزہ یعنی دلیل اجتہادی کہا جاتا ہے ان کے نہ ہونے کی صورت میں اصول عملیہ یعنی ادلہ غیر محرزہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

پھر بھی ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ نصوص کتاب وسنت، ہمارے معاش ومعاد کے لئے کس حد تک غنی ہیں اور شارع نے شریعت کی ہمیشگی اور شمول پر کس قدر اہتمام فرمایا ہے۔ براہ راست قرآن مجید کی آیات الاحکام پانچ سو کے قریب ہیں جبکہ ان پر مستزاد دیگر آیات قرآنی کو بھی فقہاء احکام شریعت کے دریافت کرنے کی صورت میں مقام استشہاد پر لے کر آئے ہیں، اسی لئے اس کی تعداد میں انشعاب نظر آتا ہے جبکہ ان آیات کی تین صورتیں ہیں ۔

(۱) کچھ بطور نص واضح اور تفصیلا حکم کو بیان کرتی ہیں۔

(۲) کچھ آیات عموم حکم یا حکم کی اجمالی صورت کو بیان کرتی ہیں

(۳) کچھ آیات ایسی ہیں جو تلمیحات واشارات کی صورت میں موضوع یا محمول کو بیان کرتی ہیں۔

اور اب ذخیرۂ احادیث کا جائزہ لیتے ہیں، محدث فقیہ حر العاملی ۱۱۰۴ھ نے کتب اربعہ کی تمام احادیث کو یکجا کرکے دیگر مصادر سے بھی تقریبا ۳۵۸۵۰ احادیث معصومین کو اپنی کتاب ''وسائل الشیعہ'' میں جگہ دی ہے جبکہ شیخ حسین نوری نے دیگر مصادر سے ۲۳۰۰۰ حدیثوں کی تخریج کی ہے اسی طرح صرف احکام فروع فقہی میں ساٹھ ہزار احادیث مکتب اہل البیت میں ہوجاتی ہے جو کسی دوسرے فقہی مکتب میں موجود نہیں ہے۔

سلف صالحین میں قیاس کے حجت ہونے کے بارے میں کچھ زیادہ ہی اختلاف تھا۔ صحابہ اور تابعین قیاس کو دلیل شرعی نہیں بناتے تھے۔ ہاں جب کسی مسئلہ میں کوئی دلیل نہ ملتی تو پھر وہ قیاس کو اس اعتبار سے قابل عمل سمجھتے جیسے مجبور کے لئے مردہ کو حلال سمجھا جاتا ہے اور سائل کے لئے واضح کردیتے کہ یہ فتویٰ قیاس پر مبنی ہے تمہارے لئے اس فتویٰ پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے۔ بعد کے فقہاء نے قیاس کو شرعی دلائل میں شمار کیا اور ساتھ ہی فقیہ اور غیر فقیہ کی اصطلاح بھی وضع کرڈالی، صحابہ کو دو

گروہوں میں تقسیم کردیا، جس کو چاہا فقیہ مان لیا اور جس کو چاہا بغیر دلیل کے غیر فقیہ کہہ دیا۔ پھر قیاس میں اس قدر غلو کیا کہ غیر فقیہ صحابہ کی روایات کو محض اس لئے رد کردیا کہ وہ ان کے قیاس کے خلاف تھیں، اگرچہ صحت کے انتہائی درجہ کو پہنچتی تھیں۔[۳]

عراق کی سرزمین شروع سے ایسی تھی جس میں قیاس کے جراثیم خیر القرون سے پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے جن کے متعلق امام جعفر صادقؑ جیسے بزرگ اہل بیتؑ نے بڑے تأسف وحزن کا اظہار فرمایا تھا اور کئی دفعہ اہل الرای سے مناظرہ کا میدان بھی گرمایا لیکن اس کے اہل الرأی والقیاس کا اثر ونفوذ بڑھتا چلا گیا حتی کہ چوتھی صدی ہجری میں خلافت کا زیادہ تر انصرام ان کے ہاتھ چلا گیا۔[۴]

چوتھی صدی ہجری تک تقلید شروع نہیں ہوئی تھی مگر چوتھی صدی شروع ہوتے ہی بڑے بڑے فتنے اٹھے۔ منطق وفلسفہ یونانی کے ترجمہ وتدریس کا سلسلہ شروع ہوگیا اور یہیں سے قیاس پر مبنی اجتہاد وتقلید کو شرعی حجت مان لیا گیا اور پھر قرآن وسنت کی تعلیمات خطرے میں پڑگئیں۔ قرآن وسنت پر اقوال اہل القیاس کو مقدم سمجھا گیا اور احادیث کے وضع کرنے سے بھی گریز نہ کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی اصحاب پیغمبر انس اور ابوہریرہ کو غیر فقیہ القاب سے نوازا گیا۔ محدثین صحاح ستّہ کو مقلد بنانے کی روش اختیار کی گئی، تعصب یہاں تک بڑھا کہ احناف نے شوافع اور شوافع نے احناف پر کفر کے فتوے چسپاں کیے، نویں صدی ہجری میں مرکز توحید بیت اللہ الحرام میں چار مصلوں کی بدعت کا آغاز ہوگیا اور واتّخذوا من مقام ابراھیم مصلّیٰ، کی بابرکت وحدت کو تقلیدی مذاہب نے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ اہل قیاس کے پاس دلیل نہ ہونے کی بنا پر کتاب وسنت کی توہین کا بھی ذرّہ برابر خیال نہیں رکھا جاتا اور برملا فتوی دیا جاتا ہے کہ مقلدین کا براہ راست کتاب وسنت پر عمل کرنا گمراہی کا باعث ہے جب کہ قاعدہ تو یہ ہے کہ کتاب وسنت کے واضحات کے ہوتے ہوئے نہ تو اجتہاد کی کوئی گنجائش ہے اور نہ تقلید کا کوئی مقام۔ ''المنجد'' میں تقلید کے لغوی معنیٰ اس طرح ذکر ہوئے ہیں'' قلّدہ فی کذا ای تبعہ من غیر تامّل و لانظر'' اس نے اس دوسرے کی تقلید کی یعنی بغیر کسی سوجھ بوجھ کے اس کے پیچھے چلا، صاحب ''مصباح اللغات'' نے لکھا ہے'' تقلید نصرانیوں کی سینہ بہ سینہ باتوں کو کہا جاتا ہے۔ آیت اللہ محمد حسین طہرانی فرماتے ہیں'' تقلید کے معنی قلادہ کو دوسرے کی گردن میں لٹکانا ہے، تقلید کے معنی ہرگز یہ نہیں کہ شخص مقلد قلادہ امر ونہی مقلد ومرجع کو اپنی گردن

میں لٹکالے کیونکہ اس طرح کے معنی توباب تفعّل (تقلّد) سے ظاہر ہوتے ہیں، بلکہ اس کے معنی تو دوسرے کی گردن پر اپنے بوجھ کو واگذار کرنا ہے،شخص عامی مقلد نے اپنا نظری اضافی بار مجتہد کی گردن پرڈال دیا ہے۔ مجتہد جہاں اپنی ذمہ داری کا بوجھ اٹھاتا ہے وہیں پر اپنے مقلدین کے بار کا بھی متحمل ہوتا ہے۔ یہی معنی روایت تقلید'' فللعوامّ ان یقلّدوہ '' سے برآمد ہوتے ہیں کہ جس کو شیخ طبرسی نے ''احتجاج'' میں اور شیخ اعظم انصاری نے ''رسائل'' میں ذکر کیا ہے ۔قلاوۂ علم واخذ احکام کتاب وسنت کو فقیہ مجتہد کی گردن پر ڈال دیا جائے اسی طرح اہل زبان عرب نے اس طرح بھی استعمال کیا ہے۔ قلّدہ السّیف، بادشاہ نے اپنے وزیر پرتقلید سیف''یعنی اس پرشمشیر زنی کا بوجھ ڈال دیا۔

تقلید

مادہ تقلید جس قدر انسان میں ہے اتناکسی دوسرے جاندار میں نہیں ہے۔نقل اتارنے کی عادت ماں کی گود سے شروع ہوجاتی ہے فیشن کی پابندی اور اس کی طرف رغبت یہی قوت تقلید ہے۔جو انسان میں فطری طور پر پائی جاتی ہے (۲) انسان کا خاصہ ہے کہ وہ فوق العادہ حالات کا خواہاں رہتا ہے ، ہرآدمی اپنے حرکات وافعال کا حاکم خودنہیں ہوسکتا ہے ،قوت تقلید اس کی خودمختاری پر حاکم اور مانع ہوتی ہے۔ ۳۔قوت تقلید صرف افعال وحرکات کے مشاہدہ پرمنحصرنہیں بلکہ کسی خیال کے مقلّد ہوجاتے ہیں ،قصوں کہانیوں کا اثر قومی عموم اخلاق پر دیکھا جاسکتا ہے بلکہ قصوں اورفلموں کے فرضی کردار اورفرضی اشخاص کی تقلید کرنے لگتے ہیں ۔

واضعان قوانین کے نزدیک اخلاق عمومی کی اصلاح کے لئے قوت تقلید سے کام لینا کارآمد ومفید ہے،ہرایک کے لئے قانون کی پابندی کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کا برفعل دوسروں کے لئے مثال بن جاتاہے،قومی اخلاق وعادات کے لئے ضروری ہے۔

ماہرین علم افعال الاعضاء نے کہا ہے کہ تقلید کرنے کا میلان ایک عصبی خاصہ ہے اور اگر اس خاصیت کی تعدیل نہ کی جائے تو یہ ایک مرض کی شکل اختیار کرلیتا ہے ،کسی شخص کو جمائی لیتے دیکھ کر دوسروں کو جمائی آنے لگتی ہے ،قینچی سے کاٹتے وقت منہ بناتے ہیں، ماں بچہ کو جب لقمہ دیتی ہے تو بچہ کے منھ کھولنے سے قبل خود ہی منھ کھول دیتی ہے اس کی اصلیت یہی تقلید ہے۔فعل وحرکت حقیقت میں فکروخیال کا ثبوت ہوتے ہیں۔ انسان صرف وہی حرکت کرتاہے جو دماغ تک حکم دیتا ہے

اور دماغ اس شغل کا حکم دیتا ہے جس کا خیال اس میں بذریعہ نظریات سماعت کے پیدا ہوا۔ انسانی فکر بذریعہ دماغ کے دوسرے اعضاء بدن کو اپنے مشابہ قرار دیتے ہیں اس کا نام تقلید ہے۔

جس قدر معاملہ کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی اس میں سوجھ بوجھ اور انتخاب سے کام لینا پڑتا ہے۔ معمولی مرض میں قدرے معلومات پر قناعت کی جاتی ہے۔ اسی طرح تعمیر کے سلسلے میں بڑے ماہر انجینئر کی تلاش ہوگی۔ معمولی مقدمہ کے لئے معمولی وکیل سے کام چل سکتا ہے، مگر معاملہ کی پیچیدگی اور حساس ہونے کی صورت میں بڑے سے بڑے ماہر قانون کی طرف رجوع کرنا ہوگا، عقل کا فیصلہ یہ ہوگا کہ اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہ پیش آئے، احکام شرعیہ وہ اہم چیز ہے جن سے انسان کے معاش ومعاد کے مسائل وابستہ ہوتے ہیں، اگر ہر شخص اتنا علم رکھتا کہ بذات خود کتاب وسنت سے مسائل دریافت کرلیتا جبکہ اصل مقتضائے قاعدہ یہی تھا مگر عام نظام زندگی میں یہ امر ناممکن ہے اور اسی قاعدۂ لطف دفع عسروحرج اور جذب لطف ویسر پر بنیاد رکھتے ہوئے شریعت نے بھی اس کی تحصیل کے واجب ہونے کا حکم نہیں دیا ہے۔ اور اختصاص کے زمانے سے قریب ہونے کی صورت میں بھی یہ عادلانہ تقسیم ناگزیر ہے۔ ایک وہ گروہ جو مسائل دین کو براہ راست دریافت کرسکے، دوسرا گروہ وہ ہے جو دیگر ضروری وسائل زندگی سے مربوط ہونے کی وجہ سے اپنے میدان کے اختصاص کے باوجود ماہرین دینیات سے اپنے دینی مسائل حل کرانے پر طبیعتاً ناچار ہیں۔

علماء اصول کا اصطلاح میں تقلید ''العمل بقول الغیر بلاحجّة''[۵] بعض نے تعریف کرتے ہوئے یہ قید بھی لگائی ہے کہ مقلّد دلیل معلوم کرنے کا مکلّف نہیں ''امّا المقلّد فمستنده قول مجتهده لاظنّه ولاظنّه..[۶] مقلد کی دلیل صرف ان کے امام کا قول ہے۔ نہ تو وہ تحقیق کرسکتا ہے۔ اور نہ اپنے امام کی تحقیق پر نظر ڈال سکتا ہے۔ علاّمہ حسن شرنلالی حقیقت تقلید کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> '' العمل بقول من ليس قوله احدىٰ الحجج الاربعة الشرعية بلاحجة،فليس الرجوع الى النّبى صلى الله عليه وآله والاجماع ، من التّقليد لانّ كلاّمنها حجّة شرعية من الحج الشرعية وعلى هذا اقتصدا الكمال فى تحريره وقال ابن امير الحجاج على هذا عمل العامى بقول المفتى وعمل القاضى بقول العدول لانّ كلّامنها وان لم يكن احدى

الحج فليس العمل به بلاحجة شرعيه لاجاب النّظر اخذ العامى بقول المفتى واخذ القاضى بقول العدول ۷ قاضی شوکانی نے ''تقریب المعنیٰ'' ہی تعریف کی ہے التّقليد هو العمل بقول الغير من غير حجة فيخرج العمل بقول النبى صلى الله عليه وآله والعمل بالاجماع ورجوع العامى الى المفتى ورجوع القاضى الى شهادة العدول فانّها قد قامت الحجة فى ذلک ۸ حدیث او اجماع پر عمل کرنا تقلید نہیں، اسی طرح عامی کا مفتی کی طرف رجوع کرنا اور قاضی کا عادل گواہ کی طرف رجوع کرنا یہ بھی تقلید نہیں کیونکہ اس پر دلیل قائم ہوچکی ہے۔

ابو انس محمد یحیٰ گوندلوی مقلدین ائمہ کی عدالت میں لکھتے ہیں'' قیاس میں غلو کرنے والوں اور اجتہاد کے دروازے کو بند کرنے والوں نے دلائل شرعیہ کو ترک کرکے امت کے لئے ایک نئی راہ نکالی ،جس سے علم کو محدود کرنا مقصود تھا تاکہ امت پر ائمہ اربعہ کی تقلید واجب ہوجائے حالانکہ اصول اربعہ میں تقلید کا نام ونشان نہیں اور نہ ہی اسلام نے کسی کو مقلد بننے کا مکلّف بنایا ہے اسلام نے تو کتاب وسنت کی اتباع کا حکم دیا اور جمود وتقلید کو ختم کرنے کے لئے اجتہاد کو لازمی قرار دیا ہے لیکن ان حضرات نے کمال تناقض کے ساتھ اجتہاد کو بند کردیا اور تقلید کو فرض قرار یا ، حالانکہ قرآن وحدیث اور ائمہ اربعہ کے اقوال میں کہیں تقلید کا حکم نہیں'' ۹

شاہ ولی اللہ نے'' عقد الجید'' ص ۶۲ میں فرمایا'' ابن حزم کا یہ قول کہ تقلید حرام ہے صرف تین قسم کے لوگوں پر صادق آتا ہے اول جس کو تھوڑا بہت اجتہاد کا ملکہ ہو خواہ ایک ہی مسئلہ میں ہو اور اس پر یہ پوری طرح روشن ہو کہ نبی کریم نے اس کا حکم فرمایا اور یہ حدیث منسوخ نہیں'' شاہ صاحب کی اس عبارت پر شیخ الاسلام یوں رقم طراز ہیں'' اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ عمر کا کچھ حصہ تحصیل علوم میں خرچ کرکے علوم عالیہ میں دستگاہ رکھتے ہیں ،علوم تفسیر وحدیث اور فقہ کو باقاعدہ پڑھتے ہیں ان کے حق میں نہ تو تقلید کی تعریف صادق آتی ہے ۔ نہ وہ کسی طرح مقلّد کہلاسکتے ہیں بلکہ وہ ایک معنی سے اچھے خاصے مجتہد ہیں'' ۱۰ علم معانی وبیان میں ہے''قد ينزل العالم منزلة الجهل لعدم جريه على موجب العلم ۱۱ یعنی جب عالم کے علم کے مطابق عمل نہ ہوتو وہ جاہل سمجھا جائے گا'' یہ حضرات تمام دینی علوم سے آراستہ ہوکر فقہاء مجتہدین ہو بھی جاتے ہیں لیکن اس اعتبار سے اسے ان میں

بدرجۂ اتم جہالت ہوتی ہے کہ ان کو جب کسی مسئلہ پر عمل کرنا ہوتو امام کی رائے سے قدم باہر نہیں ، فان کنت لاتدری فتلک مصیبة ، وان کنت تدری فالمصیبه اعظم ،پھر ان علماء کو دیکھو جنہوں نے تقلید جیسے معرکۃ الآرا مسئلہ پر کتابیں لکھیں اور اسی سے دلائل سے استنباط کی ناحق سعی کی کا علم سے تعلق ہے تو پھر ایسے محقق ہونے کے باوجود یہ مقلد کیسے رہ گئے جب کہ اس مسئلہ کی تحقیق میں یہ مجتہدین سے بھی سبقت لے گئے جبکہ ائمہ اربعہ مجتہدین کے اقوال میں کہیں پر بھی تقلید کا حکم نہیں اور قرآن وحدیث میں بھی نہیں ہے اگر ان محققین سے پوچھا جائے کہ تم نے تقلید کو دلیل سے معلوم کیا ہے تو فوراً کہہ دیں گے، کتاب وسنت سے، پھران سے پوچھا جائے کہ تم نے کتاب وسنت سے ایسے مسئلہ کا استخراج واستنباط کرلیا جس کو خود ائمہ اربعہ بھی نہ کرسکے تو پھر ان مسائل کا استنباط کتاب وسنت سے کیوں نہیں کرتے جو عام فہم ہیں اور ایسے بیّن اور واضح ہیں جن کی تحقیق میں غلط ٹھوکریں بھی نہیں کھانی پڑیں، یہ محض تقلیدی کرشمے ہیں کہ علوم کے ماہرین بھی تقلید سے باہر جانا پسند نہیں کرتے ۔ ۱۲

کیونکہ اس طرح سے وہ علمائے یہود اپنی ریاست قائم رکھنا چاہتے تھے اور اس طرح خود کو اور اپنی قوم کو اصل ایمان وخدمات نبوت وامامت سے محروم کردینا چاہتے تھے ، اور صحیح موجود صفات پیغمبرؐ ووصی پیغمبرؐ کو غلط ثابت کرکے پروردگار کا عذاب مول لینا چاہتے تھے ، پھر امام عسکری علیہ السلام کلام امام صادق علیہ السلام بطور دلیل استشہاد فرمایا'' ایک شخص نے چھٹے امام سے سوال کیا کہ قوم یہود پروردگار کی کتاب کو اپنے علماء سے سنتے تھے اور اس کے علاوہ ان کے پاس دوسرا کوئی طریقہ نہ تھا سوائے یہ کہ اپنے علماء سے سن کر قبول کرکے ان کی تقلید کریں، تو اس طرح ہمارے عوام اور یہودی عوام میں کیا فرق رہ جاتا ہے، تب امام صادق علیہ السلام جواب مرحمت فرماتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ'' ہمارے عوام وعلماء اور یہودی عوام وعلماء میں ایک جہت سے فرق ہے اور دوسری جہت سے یکسانیت ہے۔ اگر یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان اس طرح کی کوئی یکسانیت ہوگی تو دونوں ہی قابل مذمت ہیں اور اگر کچھ حیثیات وجہات سے فرق پایا تو یقیناً ہمارے علماء وعوام قابل مذمت نہیں ہیں، پھر وہ مسائل شخص درخواست کرتا ہے یا بن رسولؐ اللہ کچھ وضاحت فرمایئے تو آپ نے فرمایا'' یہودی عوام، اپنے علماء کا سفید جھوٹ جانتے تھے اور یہ کہ حرامخوری کے عادی تھے، فیصلوں میں بھی رشوت بازاری عام تھی اور پروردگار کے احکام کو بڑوں کی خوشنودی اور سفارشوں اور پارٹی بازی سے بدل دیتے تھے اور ان کے اندر تعصب نفسی یا قومی پایا جاتا تھا اور سوچ میں بدترین استبداد پایا جاتا تھا۔ اس کی بنیاد اقامۂ دین

کو پس پشت ڈال کر حقوق واجبہ کو پائمال کر دیتے تھے، اور جس کی بھی جانبداری پر اتر آتے تو اس کو وہ سب دینے کو تیار رہوجاتے جس کا وہ حقدار نہ ہوتا اور حق دار سے حق چھین لیتے اور اس طرفداری میں ظالموں کی خاطر خود بھی ظلم کرنے میں برابر کے شریک ہوجاتے اور یہودی قوم والے اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کے علماء کس طرح ببانگ دہل حرام کاریاں انجام دیتے ہیں اور فطرت بھی یہ گواہی دیتی تھی کہ اس طرح کے علماء قابل تقلید نہیں کیونکہ یہ متجاہر بالفسق ہیں مگر پھر بھی اندھی تقلید میں گھر ے رہے، اسی لئے پروردگار نے ان کی مذمت کی ہے کہ انہوں نے جانتے ہوئے ان کی اندھی تقلید کی۔ اسی طرح ہماری امت اسلامیہ نے بھی اپنے علماء کو فسق وفجور اور تعصب اور دنیاداری میں کتوں کی طرح لڑتے ہوئے دیکھا اور ان کے ظلم وستم اور اپنے مخالف کو روندتے ہوئے جانا جب کہ اصلاح ممکن تھی مگر اس کے باوجود بھی ہماری امت کے کسی فرد نے بھی ان علماء کی تقلید کی تو اس مسلمان شخص کو بھی قابل مذمت یہودیوں ہی میں سے شمار کیا جائے گا، پھر امام علیہ الام نے فرمایا ''فامّا من کان من الفقهاء صائناً لنفسه ، حافظاً لدينه ، مخالفاً علىٰ هواه ، مطيعاً لامر مولاه فللعوامّ ان يقلّدوه ذلک لايکون الّابعض فقهاء والشيعة لاجميعهم، اس طرح سے وہ علماء یہود اپنی ریاست قائم رکھنا چاہتے تھے اور اس طرح خود کو اور اپنی قوم کو اصل ایمان وخدمات نبوت وامامت سے محروم کر دینا چاہتے تھے، اور صحیح موجود صفات پیغمبر ووصی کو غلط پیغمبر ثابت کر کے پروردگار کا عذاب مول لینا چاہتے تھے، پھر امام عسکری علیہ السلام کلام امام صادق علیہ السلام بطور دلیل استشہاد فرمایا ''ایک شخص نے چھٹے امام سے سوال کیا کہ قوم یہود پروردگار کی کتاب کو اپنے علماء سے سنتے تھے اور اس کے علاوہ ان کے پاس دوسرا کوئی طریقہ نہ تھا سوائے یہ کہ اپنے علماء سے سن کر قبول کر کے ان کی تقلید کریں۔

سورۂ بقرہ ۷۸ ویں آیت سے لیکر ۷۹ ویں آیات'' شیخ طبرسی'' نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے منسوب تفسیر سے ایک روایت نقل کی ہے، شیخ اعظم انصاری نے بھی ''فرائد الاصول'' ''رسائل'' میں روایت کے ایک حصہ کو نقل کیا ہے کہ جس میں امام عسکری علیہ السلام، امام صادق علیہ السلام کے کلام کو مقام استشہاد واستدلال میں لیکر آئے ہیں، مگر شیخ طبرسی اس روایت کو یوں شروع کرتے ہیں'' وبالاسناد عن ابی محمد العسکری علیه السلام فی قوله تعالیٰ ''ومنهم امیّون لایعلمون الکتاب الّاامانی۔(سورۂ بقرہ آیت ۷۸)

امام عسکری علیہ السلام نے خاص طور پر دولفظوں کی شرح فرمائی ہے ''امّی'' اور "امانی" انّ الامّی، منسوب الیٰ امّه" ای هو کماخرج من بطن امّه لایقرأ ولایکتب ۔

یعنی لفظ اُمّی ماں کی طرف منسوب ہے جس سے مراد یہ ہے کہ یہ اہل کتاب مادر زاد جاہل ہیں اور کچھ نہیں جانتے ہیں'' لایعلمون الکتاب" المنزل من السّماء ولاالمتکذّب به ولا یمیّزون بینهما "الاّ امانی" ای! الاّ ایقرأ علیهم ویقال لهم انّ هذا کتاب اللّٰه کلامه، یہودوعیسائی اپنی اپنی کتابوں یعنی تورات اور انجیل کونہیں جانتے وہ اس طرح کہ اگر ان کے سامنے جھوٹی سچی کتاب لاکر پیش کردی جائے اور وہ خداوند کی طرف منسوب کردی جائے تو فورا اس کی تصدیق کرڈالیں گے کیونکہ ان کا ذریعہ شناخت ''امانی''یعنی بس ان کے سامنے کتاب پیش کردی جائے اور کہہ دیا جائے کہ یہ خدا کی کتاب ہے۔فوراً مان کر اس پر فیصلہ لینا شروع کردیں گے اور صحیح اور باطل میں کوئی فرق محسوس نہ کریں گے۔لایعرفون ان قرأ من الکتاب خلاف ما فیه ...اور اگر کوئی یہودی یاعیسائی عالم اپنے عوام کے لئے کتاب الٰہی کوتحریف وتبدیل کرکے پیش کرے گا تو وہ لوگ بغیر سوچے سمجھے آمنّا وصدقّنا کے نعرے لگانے لگیں گے، اور ان عالموں کی مان مانی باتوں کو خدا کی بات سمجھ بیٹھے گیں اور منزل من السماء کا درجہ دے بیٹھیں گے،'' وان هم الّایظنّون" أی مایقرأ علیهم رؤساؤهم من تکذیب محمد صلی الله علیه وآله وسلّم فی نبوّته وامامة علیّ سیّد عترته اور پھر نتیجہ یہ ہوتاہے کہ رسالت خاتم اور امامت کا انکار لازم آتاہے ، اور پھر امام عسکریؑ فرماتے ہیں ''وهم یقلّدونهم مع انّه محرّم علیهم تقلیدهم .... ایسے عالموں کی تقلید کرنا حرام ہے جو کتاب خداکوہی بدل ڈالتے ہیں،امام عسکری علیہ السلام حدیث کو آگے بڑھاتے ہیں، هذا القوم الیهود کتبوا صفة علماء یہود اوصاف خاتم النبیین کو کچھ اس طرح سے بیان کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جو صفات آخری نبی کی ہماری کتابوں میں لکھی ہیں وہ اس سے کہیں مختلف ہیں جو موجود شخصیت محمد بن عبد اللہؐ میں پائی جاتی ہیں، اور اپنی جاہل عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کوئی بھی صفت جو ہماری کتابوں میں آخری نبی کے لئے مذکور ہیں موجودہ نبی آخر الزمان پر منطبق نہیں ہوتی اور یہ کہ وہ نبی بہت عظیم البدن ہے بلند قامت ہے اورجس کے بال نہ سرخ ہیں نہ زرد اور وہ نبی آخرالزماں تو آج سے (وقت بعثت رسول اسلام) پانچ سو سال بعد ظہور کرے گا۔

☆

حوالے:

۱۔موسوعة الفقه الاسلامی ۱/ التفتیح فی شرح العروة ۱/ ۲۵

۲۔کنزل العمال ۱۰/ ۱۹۲

۳۔مقلدین، ص ۱۳

۴۔مقلدین ائمہ کی عدالت میں، ابو انس محمد یحی گوندلوی، ص ۱۱۳

۵۔مسلم الثبوت

۶۔مسلم الثبوت، ص ۵

۷۔معیار الحق، ص ۶۶

۸۔ارشاد العقول، ص ۲۴۶

۹۔مقلدین، ص ۱۳

۱۰۔اجتہاد وتقلید شیخ الاسلام

۱۱۔تلخیص المفتاح، ص ۶

۱۲۔مقلدین، ص ۲۲

☆☆☆